

# ہماری قومی ضروریات

یعنی

وہ تقریر جو میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آکسن) پیرسٹرایٹ لاء  
نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے اڑتالیسویں سالانہ اجلاس میں  
بتاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء پڑھی۔



گزشتہ ماہ جب مجھے حیدر آباد (دکن) جانے کا اتفاق ہوا تو میں ایک جگہ یہ  
لکھا دیکھ کر سڑک پر چلتے چلتے اچانک رُک گیا:

سہ راہ

احتیاط

تین شاہ راہیں اس مقام پر ملتی تھیں تینوں اس خوشنما عظیم الشان شہر کے مختلف  
حصوں سے آتی تھیں، تینوں گنجان آبادی میں سے ہو کر گزرتی تھیں، تینوں کے کنارے کنارے  
کہیں معمولی پرانی کہیں غیر معمولی پرانی اور نئی عمارتیں کھڑی تھیں کہیں کچھ گرائی جا رہی تھیں  
کہیں کچھ بن رہی تھیں تینوں میں شاید یہ فرق ہو کہ کسی میں زیادہ حکام کسی میں زیادہ تاجر کسی  
میں زیادہ ادنیٰ طبقے کے لوگ رہتے ہوں۔ بہر حال ان تینوں سڑکوں پر دن رات خوب رونق  
رہتی تھی، ایک پر، دوسری پر، تیسری پر گھوڑوں، گاڑیوں، موٹروں اور پاپیادہ لوگوں کا  
ہجوم تھا۔ وہ تینوں ایک مقام پر ملتی تھیں جہاں تینوں طرف سے آنے جانے والے لوگوں  
کا اک تانتا بندھا رہتا تھا اور اسی لئے وہاں تنبیہ کے طور پر لکھا تھا:

سہ راہ

احتیاط

یہی حال ہمارے ملک کا ہے۔ ایک طرف سے مغربی تہذیب کی شاہراہ آتی ہے



دوسری طرف سے ہندوؤں کی تہذیب کی تیسری طرف سے اسلامی تہذیب کی تینوں مختلف اطراف سے آتی ہیں اور ملک ہند میں آکر ملتے ہیں جہاں اہل نظر کے لئے زمانے کے محتذب نے جلی حروف میں لکھ دیا ہے :

### سہ راہ احتیاط

زندگی میں جہاں جہاں خطرہ ہوتا ہے، جہاں جہاں احتیاط کی ضرورت محسوس ہوتی ہے عموماً وہیں اچھے نتائج بھی مترتب ہوتے ہیں۔ اس ملک ہندوستان میں جہاں مدت سے مختلف تہذیبوں کا اجتماع ہے، جہاں ان میں اکثر تضادم پیدا ہوتا رہتا ہے عجیب نہیں کہ اسی ملک کی قسمت میں ایک دن ان کی جائے اتصال اور مقام اتحاد ہونا بھی لکھا ہو۔

ہندوستان کو تو خیر کہیں گے کہ یہاں کئی صدیوں سے لڑائی جھگڑوں کا بازار گرم رہا ہے لیکن دنیا کی عام حالت کو دیکھو تو وہاں بھی ظاہر ہو جائے گا کہ تھوڑے عرصے سے امن و امان رخصت ہو کر ایک مسلسل کشمکش کا نقشہ روز و شب پیش نظر ہے۔ بالخصوص جنگ عالمگیر کے بعد دنیا کی حالت اور کی اور ہو گئی ہے، مردوں عورتوں میں، بڑوں چھوٹوں میں، حاکموں محکوموں میں، جماعتوں میں، نسلوں میں اینچاٹانی ہو رہی ہے، آزادی کے چرچے ہیں، مساوات کے نعرے ہیں، سرمایہ داری اور اشتراکیت برسرِ پیکار ہیں، سچ یہی کہ پرانی اور نئی دنیا گتھم گتھا ہو رہی ہیں یعنی جینے والوں کے لئے قدم قدم پر خطرہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بزدل لوگ ہر لمحہ کانپ رہے ہیں لیکن بہت والوں کے لئے کامیابی جا بجا اپنا ڈنکا بجا رہی ہے۔ کتنے ہیں زندگی جدوجہد ہے ہاں کم از کم آج کل کی زندگی ضرور ہی



جدوجہد ہے اور آج کل زندہ بھی کچھ وہی ہیں جو دنیا میں ہر طرح سے جدوجہد کے لئے تیار ہوں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نوع انسان کی ارتقا میں بعض زمانے خاص طور پر تحریک کے لئے وقف ہوتے ہیں اور بعض میں مقابلہ سکون کا سامان موجود ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ آج کل سکون و تسکین کا معدم ہیں اور جو کچھ ہے سو جدوجہد ہے۔ چیزیں الٹ پلٹ ہو رہی ہیں، خدا جانے کب اس ہنگامہ خیزی کا کوئی مستقل نتیجہ نکلے۔ ایسے طوفانی زمانے میں ہر قوم بلکہ ہر فرد کے لئے اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا ایک دشوار کام ہے اور جس طرح اور اقوام اور اور مذاہب ایک آزمائش کے وقت میں سے گزر رہے ہیں اسی طرح ہم ہندوستانی مسلمان بھی گزر رہے ہیں۔

ہمارا نصب العین کیا ہونا چاہئے؟ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ ہم اسلام پر قائم رہ کر موجودہ زمانے میں اجتماعی اور انفرادی طور پر ایک کامیاب اور شاندار زندگی بسر کر سکیں۔ اس منتہائے کمال تک پہنچنے کے لئے ہمیں بعض رکاوٹوں کو دور کرنا ہے، بعض پر سے محض پھاند جانا ہے اور بعض کو ایک حد تک اپنے حسبِ منشا بنا کر کچھ انہیں تبدیل کرنا اور کچھ خود تبدیل ہو جانا ہے۔ عام لوگ بلکہ کئی خواص بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس گورکھ دھندے کے زمانے میں بغیر مکر و فریب کے گزارہ نہیں، کم از کم بغیر سہمی جھوٹ کے زندگی کا لطف نہیں، کم از کم آسانی نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جہد للبقا نے اس دور میں راستہ و اشتیاع کے لئے ہزاروں دشوار ماں پیدا کر دی ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ آج کل کی بعض کامیابی ایسی ہیں جو عموماً بغیر یا کاری کے حاصل نہیں ہو سکتیں، لیکن لاریب اُن لوگوں کا راستہ تو تامل و تذبذب سے پاک و صاف ہونا چاہئے جن کے لئے صاف صاف ارشاد ہوا ہے کہ

لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ



دنیا کے لئے اسلام کا سب سے بڑا پیغام پیغام وحدت ہے مسلمان کے لئے کائنات کائنات ہے خرابات نہیں، وہ کثرت میں وحدت دیکھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ مختلف کڑیاں ایک ہی رنجیر کی کڑیاں ہیں اور جو کڑی علیحدہ ہو جاتی ہے وہ پھر اسے منسلک کرنے کی کوشش کرتا ہے، مظاہر قوانین سے مربوط ہیں اور خدا ان قوانین کی منت نئی روح ہے ایہ امر غور کے قابل ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں مظاہر پرست، تہلیث پرست، کثرت پرست لوگ وحدت پسند ہوتے جاتے ہیں وہ اپنے اپنے مذہب کو وحدانیت کے رنگ میں رنگ رہے ہیں ہمیں اس بات پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ضرور اپنے تئیں مسلمان کہیں کہلائیں، وہ مانیں نہ مانیں وہ روز بروز اسلام کے زیادہ ہی زیادہ قریب آ رہے ہیں۔ اسلام کا دوسرا سب سے بڑا پیغام اخوت اور مساوات ہے؛ انقلاب فرانس کے مشہور اصولی نعرے حریت، مساوات اخوت جنہوں نے مغرب کی بوسیدہ قوموں میں ایک نئی روح ڈالی۔ بارہ صدیاں پہلے عرب کے صحراؤں میں زمین و آسمان میں گونج پیدا کر چکے تھے۔ ابھی پچھلے ماہ میں نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں دیکھا کہ ایک غیر مسلم فرماں روا نے صرف اپنے لئے اپنی مخصوص عبادت گاہ اپنے محل کے قریب بنا رکھی ہے لیکن اعلیٰ حضرت حضور نظام ہر کہ دمہ کے ساتھ دوش بدوش نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے ہیں۔ اسلام نے غلاموں کو آقاؤں کا ہم مرتبہ بنا دیا، عورتوں کے متعلق مردوں کو بتا دیا کہ تمہارا اُن کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عید کے روز مسلمانوں کا ایک دوسرے کے گلے ملنا اخوت و مساوات کا شاندار منظر ہے۔ البتہ اسلام ناممکن المحصول مساوات کے سہرا باغ نہیں دکھاتا، وہ بالثوی اور دورِ حاضر کی دیگر نامناسب غیر فطری مساوات کو جس میں کسی طرح کے چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں ہوتی پسند نہیں کرتا۔ اسلام ہر آئین اعتدال کا مذہب ہے فطرت انسان ہمیشہ اُس مذہب کے پیش نظر ہے جس کا



قول ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ اس وقت دنیا میں ایک طرف سرمایہ داری  
 اور دوسری طرف اشتراکیت کی جو جنگ برپا ہے اسلام نے تیرہ صدیاں ہوئے اُس  
 کے متعلق اپنا فیصلہ سنا دیا تھا مثلاً ملکیت کے بارے میں اسلام کی میانہ روی کا نتیجہ یہ  
 ہوتا ہے کہ جائیداد بہت سے اشخاص میں بٹ جاتی ہے اور عموماً ہمیشہ کے لئے کسی خاص  
 شخص اور اس کی اولاد کی ملکیت نہیں بنی رہتی، زکوٰۃ امارت و افلاس کے فرق کو اور بھی کم  
 کر دیتی ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ علاوہ مفید قوانین کے نفاذ کے اسلام نے اپنے  
 پیروؤں میں ایک ایسی روح پھونک دی جس سے لوگ برصائے خود ایک دوسرے کے  
 بھائی بھائی بن گئے لبنین اور سٹیلن نے بھی کبھی یہ نہ کیا ہو گا کہ فاروق اعظم کی طرح وہ اور اُن  
 کا خادم باری باری اونٹ یا موٹر کار کی سواری کرے۔ دورِ حاضر میں باتیں بہت ہوتی ہیں  
 نظریے بہت سنائے جاتے ہیں مگر رضا کارانہ عمل میں ابھی ترقی کی کافی گنجائش ہے۔  
 اسلام کا ایک اور بڑا اصول رواداری ہے، یوپی نے ہزار ہا سال کے مذہبی  
 کشت و خون کے بعد اسے سیکھا اور ابھی سیکھ رہا ہے، اسلام نے مدینے ہوئے لاکھوں  
 فی الدین (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کہہ دیا۔ یہاں بھی میانہ روی کو قائم رکھا ہے اور کہا  
 ہے کہ تم میں سے ضرور ایک ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلائے لیکن تشدد  
 نہ کرے اور نہ عدم تشدد کے پردے میں کسی کا حقہ پانی بند کر دے۔ اس کے بعد جب  
 مسلمان ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں یا کسی دوسرے کا نقطہ نظر سننے میں  
 غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں تو ان کا ظمین الفیظ کے مومنوں کی حالت دیکھ کر عبرت  
 حاصل ہوتی ہے۔ اسلام امن و امان کا مذہب ہے، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی بڑباری  
 آپ اپنی مثال ہے جو قول میں دھیمے تھے اور عمل میں تیز، آج اس کے عین برعکس حالت ہی



ہاں اتنا ہے کہ شعر اور مقرّرین اپنے پیغام عمل سنا کر سرد صحتتے ہیں اور دوسروں کو دوڑنے اور گرد اڑانے دیکھ کر ہم بھی ذرا چیخنے اور رینگنے لگے ہیں۔ دعا ہے کہ ہماری فصاحت و بلاغت ذرا کم ہو لیکن اللہ کرے زور عمل اور زیادہ۔

موجودہ تہذیب اور موجودہ دور کی مقتضیات کیا ہیں؟ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مغربی تمدن میں آج کل متضاد قوتوں کا تصادم ہو رہا ہے۔ بعض قوتیں طاقتور ہیں بعض کمزور، بعض حکمران بعض محکوم؛ طاقتور قوتیں چاہتی ہیں کہ ہمارا زور قائم رہے، انہیں "status quo" کا لفظ پسند ہے یعنی جس پر ہم قابض اُس کے ہم ہمیشہ کے لئے مالک کمزور قوتیں چاہتی ہیں کہ بغیر زور پیدا کئے وہ زبردستوں کے پنجوں سے نجات حاصل کریں یعنی قدرت کسی طرح ان کے لئے اپنا قانون بدل ڈالے۔ یہ کشاکش یوں ہی جاری رہتی ہے۔ اس کے ساتھ جماعتوں میں جنگ جاری ہے، امیر طبقے اپنی امارت کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن مزدور طبقہ اب محض محنت کو انسانیت کا معیار بنانے پر تلا ہوا ہے۔ مساوی مواقع کا شور برپا ہے۔ پھر عورتوں مردوں کی برابری کا سوال پیش پیش ہے؛ صدیوں کے بعد عورت اپنی ہستی کی اہمیت کو محسوس کر رہی ہے اور غلامی کی اُن زنجیروں کو توڑ دینا چاہتی ہے جو خود غرض مرد نے ہمیشہ سے اُس کے پاؤں میں ڈال رکھی ہیں اور بڑوں چھوٹوں میں تو قوتیں میں ہو رہی ہے، بزرگی بہ عقل است نہ بساں پر عمل اصرار ہے، "بزرگ" کے لفظ پر ہستی اڑ رہی ہے، سنتے ہیں کہ بعض امریکی نوجوانوں کے ہاں جب اُن کے دوست مہمان بن کر آتے ہیں تو وہ باواجان کو حکم دیتے ہیں کہ آپ چند دنوں کے لئے اپنا گھر ہمارے دوستوں کے لئے خالی کر دیجئے اور آپ اپنے خدا کو یاد کیجئے۔

تعلیم کا مفہوم گزشتہ چند سالوں میں قطعاً بدل گیا ہے، اب تعلیم کے یہ معنی نہیں



ہیں کہ مقرر شدہ نصاب کو جو بزرگوں نے بیسیوں سال ہوئے طے کر دیا انہوں کو جاگ  
جاگ کر رہتے رہو اور تربیت کے یہ معنی نہیں کہ چند مقررہ ہیکلوں کی گلستان لو پڑھ لو اور نگاہیں  
نیچی رکھو تو تم شائستہ ہو گئے نہیں بلکہ تعلیم کے معنی ہیں سمجھ سوچ کو پڑھنا پڑھنے ہوئے  
کو اپنی شخصیت کا جزو بنانا اور اُن علوم میں علمی استعداد حاصل کرنا جن کی طرف تمہاری طبیعت  
کا فطری رجحان ہو اور تربیت کے معنی ہیں فطری خواہشات کو قائم رکھ کر مناسب طور پر اُن  
کی رہنمائی کرنا اور اُن کی درست لطف اندوزی سے تقویت حاصل کر کے جسم و نفس کو  
زیادہ زندہ و تابندہ بنا لینا، دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ تعلیم اور تربیت دونوں میں  
ایک بچے یا لڑکے کو زیادہ آزادی حاصل ہونی چاہئے تاکہ اُس کی فطرت ابھرے نہ کہ  
دبے، تاکہ اُس کا نفس بجائے محض اندھا دھند پیروی کرنے کے دنیا کے خبگل میں خود  
اپنا رستہ ڈھونڈے اور پیدا کرے! اشتراکیوں کا خیال کچھ اور ہے وہ کہتے ہیں کہ  
نوجوانوں کو ایسی تعلیم دینی چاہئے کہ وہ بڑے ہو کر مزدور طبقہ کے معاون اور متحمل طبقے  
کے دشمن بنیں، جو تعلیم اس معیار پر پوری اترے وہ صحیح تعلیم ہے ورنہ غلط۔ مذہب  
کے متعلق نئے تمدن کا خیال ہے کہ مذہب محض ذہنی غلامی ہے، توہمات کا ایک دفتر  
بے معنی ہے، سرمایہ داری کا ایک حلیف ہے اور کچھ نہیں لیکن اس کے برعکس یورپ اور  
امریکہ میں ایک نئی جماعت پیدا ہو رہی ہے جو ادھر لغو مذہبی رسوم سے کنارہ کش رہے لیکن  
ادھر فضول دہریہ پن سے بھی بیزار ہے، وہ دیکھ رہی ہے کہ اگر ادھر ایک تنہا کن غلامی کی  
کیفیت ہے تو ادھر بھی ایک بے معنی بغاوت کی صوت ہے، اس مایوسی کی حالت میں  
اُن میں سے بعض پرانے مذاہب کے کسی نئے مفہوم کی طرف راغب ہونا چاہتے ہیں اور بعض  
کسی نئے سادہ بے رسم مذہب کے خواہاں ہو رہے ہیں۔ معاشیات میں عجیب گڑبڑ مچ



رہی ہے۔ چند سالوں سے جو ساری دنیا میں معاشی سردبازاری کا دور دورہ ہو رہا ہے اُس سے ماہرین معیشت انگشت بندہاں ہو رہے ہیں، کوئی کہتا ہے یہ امریکہ اور فرانس کی چالاکی ہے، کوئی کہتا ہے بڑے بنکوں کی جہالت یا شرارت ہے، کوئی کہتا ہے رسد زیادہ ہے طلب کم کسی کا خیال ہے ایک مرکزی بین الاقوامی بنک بننا چاہئے کسی کا خیال ہے کہ جنگِ فرنگ کے بعد دنیا کی معیشت ہی تبدیل ہو گئی ہے، ادھر اشتراکی روس بغلیں بجا رہا ہے کہ یہ ہے سرمایہ داری کی ترغیبیں غریب آپ کا جنازہ اٹھنے والا ہے۔

اس دم بدم بدلتی ہوئی دنیا میں ہماری کیا حیثیت ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہماری قومی ضروریات کیا ہیں؟ بلکہ ان سب سوالوں سے پہلے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہم بحیثیت ایک قوم کے برقرار رہنا چاہتے ہیں؟ اور اگر رہنا چاہتے ہیں تو کیوں؟ ان دو آخری سوالوں کا جواب صاف ہے اور آسان، ہم اپنی قومیت کو برقرار رکھنا اور استوار بنانا چاہتے ہیں اور یہ خواہش بالکل ایسی ہی فطری ہے جیسی کسی بچے کی خواہش کہ وہ اپنے ماں باپ سے اور اپنے عزیزوں سے وابستہ رہے، ہماری قومیت ہمارا منبع ہے جس طرح ایک دریا اپنے چشمے کو نہیں بھول سکتا اُس سے جدا ہو کر بھی اُس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ بعینہ اُسی طرح ہم بھی کہیں رہیں اس بات سے نہ گریز کر سکتے ہیں نہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہمیں خدا کو خدا یا اللہ کہنے میں لطف آتا ہے تو اس پر God یا پریشہ کہنے والوں کو مطلق ناک بھوں نہ چڑھانی چاہئے، حقیقت ایک ہی ہے صرف اُس تک پہنچنے کے رستے مختلف ہیں اور کوہستانِ زندگی میں جسے جو رستہ پسند ہے اُسے پوری آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اسی رستے پر چلے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے انگریز اور ہندو بھائیوں سے علیحدگی چاہتے ہیں جیسا کہ کہا جا چکا ہے ملکِ ہندوہ سہ راہ ہے جہاں ان تینوں تہذیبوں



کے رستے آکر ملتے ہیں \*

پس ہماری سب سے پہلی قومی ضرورت یہ ہے کہ ہم مسلمان بنے رہیں۔ دوسرے مذہب والوں میں اشاعتِ اسلام کا کام بے شک جاری رہے۔ لیکن زیادہ ضرورت اور فوری ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مسلمانوں کو مسلمان کریں۔ مسلمانوں کو مسلمان بنائیں، اکبر مرحوم خوب کہتے ہیں:-

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں! اب اس میں بہت اختلاف ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیم کیونکر دی جائے؟ وہ تعلیم کیا ہے؟ اس بات پر ہر شخص کا خیال مختلف ہے۔ کوئی صرف یہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان نماز روزہ کا پابند ہو۔ کوئی زیادہ اصرار کرتا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے ادارے کی تنظیم کی جائے۔ کسی کی خواہش ہے کہ مسلمان اپنے قومی تہواروں کی تجدید کریں انہیں ملکر منائیں، جلسے کریں جلسوں نکالیں۔ انہیں کے ساتھ شاید خال خال ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں یقین ہے کہ بے ڈاڑھی والا متنفس مسلمان نہیں۔ اور کہیں کہیں ابھی ابھی کچھ ایسے لوگ بھی نمودار ہوئے ہیں جو اردو زبان اور شادی اور بزرگوں کی تعظیم کو جہلا کے مشاغل بتاتے ہیں \*

یہ مختلف خیال والے لوگ کم از کم اس بات پر متفق رائے ہو سکتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کے بعد مسلمانوں میں اسلامی روح پھونکنے کا سب سے مؤثر ذریعہ پہلی صدی کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ ہے۔ قرونِ اولے کے مسلمانوں کی تاریخ ہر مسلمان نوجوان کی تعلیم کا لازمی جزو ہونا چاہیے۔ عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں آستین چڑھائے ایک شخص ایک اونٹ کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ یہ کون ہے؟ یہ حضرت عمرؓ ہیں اور وہ بیت المال کا اونٹ ہے۔ اس طرح اس کام میں منہمک ہیں۔ گویا آج شام کی روٹی محض اسی کمائی سے حاصل ہوگی۔ میدان جنگ میں تین



شخص جان توڑ رہے ہیں، جانکنی کی حالت میں ایک پانی مانگتا ہے لیکن جب دیکھتا ہے کہ دوسرے کو اس کی خواہش ہے تو اس کی طرف بھیج دیتا ہے، وہ دوسرا ایک تیسرے کو دیکھتا ہے تو ایسا ہی کرتا ہے، بالآخر سب اس سے محروم رہتے ہیں اور خدا کی راہ میں جان دے دیتے ہیں؟ یہ کون ہیں یہ اس عہد کے سچے مسلمان ہیں! خلیفہ ثانی کی آخری وصیت کیا تھی؟ یہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے حقوق کا دھیان رکھا جائے۔ حال کے مسلمانوں کو اپنے نفس میں ایسی ہی دیانت دارانہ محنت، ایسا ہی عظیم الشان ایثار، ایسی ہی شاندار رواداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے بزرگوں کی تاریخ پڑھیں اور دیکھیں کہ ”کل کیا تھے اور آج کیا ہو گئے“ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیں کہ

فضل و ہنر بڑوں کے گرتھ میں ہو تو جانیں

گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہا نیاں ہیں

آج کل ہماری قوم کے پرانے نئے لوگوں کے ملے جلے ہجوم کے لئے ایک ایسی ہمنوائی کی ضرورت ہے جس میں گزشتہ و موجودہ خیالوں کا مناسب ملاپ ہو۔ پرانے خیال والوں کا صرف یہ کہہ دینا کہ اسلام وہی ہے جس پر ہم عمل پیرا ہیں اسلام کی کھلی ہوئی توحید ہے۔ اسلام ایک وسیع و آزاد مذہب ہے جس کے دائرے میں مختلف قسم کے اور مختلف درجوں کے انسانوں کے لئے گنجائش موجود ہے۔ آج کل کی دنیا میں آج کل کے نوجوانوں کو اسلام کے دائرے میں رکھنے اور انہیں اچھے اور سچے مسلمان بنانے کے لئے ضرورت ہے کہ اسلام کی تعلیم پر نئی روشنی ڈالی جائے اور دکھایا جائے کہ اسلام کس قدر لچکدار مذہب ہے، اس میں کیونکر جاہلوں، عالموں سب کے لئے تسکین و تسلی کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ کونسا آزاد خیال ہے جسے ایسی حُزت کی خواہش نہ ہو۔ جہاں وہ چیزیں ہیں جنہیں



نہ آنکھ نے دیکھا ہے نہ کان نے سنا ہے۔ نہ وہ کسی دلیں خیال بن کر گزری ہیں اور جہان کی سب سے بڑی خوشی خدائے لایزال کے نور کا جلوہ ہے! جو شخص صرف تقدیر پر شاکر ہے جو شخص صرف تدبیر کا حامی ہے اُن دونوں کی رہنمائی کے لئے اسلام نے بر توکل زانوئے اشتربہ بند کی ہدایت کی۔ افسوس ہے کہ اکثر مسلمان قنوت پر تکیہ کر کے پڑے رہتے ہیں حالانکہ قرآن مجید اُن کے لئے ہر لحظہ لیس للانسان الاماسعی کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ آج کل ہر طرف ایک طوفان تمدن برپا ہے۔ کتابیں، سپر و سفر، سینما، ٹیلیوژن، جلسے، جلوس، حقوق کے لئے چیخ و پکار، آزادی کے لئے بھاگ دوڑ، یہ نعرہ کہ لچھو مار یو یہ آوازہ کہ جاگو دوڑو پالو! یہ ہے آج کل کی دنیا، اس میں ہمیں رہنا ہے۔ اس میں ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کیونکر اپنا آپ برقرار رکھ کر زمانے کے ساتھ ساتھ گام زن ہو سکتے ہیں اور یقین کرو کہ اگر ہم اپنا آپ برقرار رکھیں۔ تو زمانہ بھی ایک حد تک ہمارے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور ہو گا۔ لیکن یہ کام محض اپنی جگہ پر ڈٹے رہنے سے سرانجام نہ ہو گا۔ محض اپنے آپ کو بہترین وجود سمجھنے سے تکمیل کو نہ پہنچے گا۔

آزادی کی جو عام رو آج کل چار دانگ عالم میں جاری و ساری ہے۔ وہ کسی طرح اسلام کی زندہ روح کے متناقض نہیں۔ نئی پود کا جو تقاضا آزادی کے لئے ہے وہ ایک حد تک درست بھی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہم اُن کے بعض لغو مطالبات کو مسترد کر دیں تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ ہم انکی بعض مناسب خواہشات کا کما حقہ لحاظ کریں خواہ وہ خواہشات ہمارے میلانات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ بہت سی چیزیں جن پر ہم سختی سے مصر ہیں جن کے سلسلے میں ہم میں سے بعض مرنے مارنے کے لئے تیار ہیں اُن کو مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ایک لڑکے کی خواہش



ہے۔ کہ وہ بغیر دیکھے کسی لڑکی سے شادی نہ کرے؛ اگر وہ اس فطری اور جائز خواہش پر اصرار کرتا ہے تو اس کے ماں باپ اسے یورپ زدہ کہہ کر اس کا منہ خاک سے بھر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں رہا۔ حالانکہ اس بات کے متعلق اسلام نے کہیں ایسے تنگ نظر لوگوں کی تائید نہیں کی۔ ایک لڑکی کی خواہش ہے کہ وہ کبھی کبھی گھر سے باہر قدم رکھے خدا کی ہوا اور روشنی سے حظ اٹھائے یا آپ اپنی روزی کمائے۔ اگر وہ بھولے سے کبھی اپنی ماں کے سامنے بھی ان جائز خواہشات کا اظہار کر دے تو بس کافی ہے کہ اُسے بے حیا اور نامراد کے خطابات عطا ہو جائیں۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کی بیوی کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور عینک کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ وہ پڑھ سکے اور اپنا فالتو وقت اس مفید مشغلے میں بسر کر سکے۔ لیکن آنکھوں کا امتحان کرنا شوہروں کے محکمے میں داخل نہیں۔ اب حضرت شوہر کو کاوش ہوئی کہ میری بیوی کی آنکھیں کوئی غیر مرد دیکھ لے گا لگے بچاری کو کوسنے کہ بہتر ہوتا اگر تو مر گئی ہوتی، کہیں ڈوب جاتی۔ لیکن یہ دن نہ آتا وغیرہ وغیرہ۔ خیر آخر عینک لگ گئی۔ یہ حضرت نماز روزے سے غرض نہیں رکھتے لیکن جہاں پر دے کا ذکر آتا ہے اسلام کا نام لے لیکر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں!

پر دے کا سوال ذرا ٹیڑھا ہے۔ لیکن کم از کم پرانے اور نئے ہر قسم کے لوگوں کو یہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ آج کل ہندوستان کے اکثر شرفا کے ہاں جن کی تعداد مسلمانوں میں دو تین فی صدی سے زائد نہ ہوگی جو پردہ رائج ہے۔ وہ اسلامی پردہ ہرگز نہیں بلکہ رواجی ہے اور یہ پردہ زیادہ تر ہندوستان ہی کی پیداوار ہے۔ بڑی شکل یہ پڑی ہے کہ ادھر کچھ قدامت پسند ظالم ہیں جو اپنی عورتوں کو غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اور ادھر کچھ جدت پسند شیطان پیدا ہو رہے ہیں جو آزادی کے پردے میں ہوا دھوس کے کھیل



کھیلنا چاہتے ہیں۔ ان انتہائوں کے ہوتے ہوئے ہمارا راستہ میانہ روی ہونا چاہیے۔ نہ ہمیں اپنی عورتوں کو چار دیواری میں بند رکھنا چاہیے اور نہ یہ ہونا چاہیے کہ ہماری عورتیں ناچ گھروں میں جا کر انہوں یا غیروں کے ساتھ تھرتھرتی پھریں۔ اعتدال کی راہ بہت مشکل ہے۔ لیکن زندگی کی اکثر چیزیں مشکل ہی سے حاصل ہوتی ہیں، ہمیں مشکلوں کی گھاٹیوں سے مرعوب ہو کر آسانیوں کے غاروں میں نہ گر جانا چاہیے۔ پُرانے رواجوں کا پابند رہنا آسان ہے، نئی آزادوں کے کھیل کھیلنا آسان ہے لیکن ان دونوں کے ملاپ سے اپنی زندگی میں ایک نئے اذن پیدا کرنا مشکل ہے۔ اور یہی کام کرنے کے قابل ہے۔ اسی کی ہماری پس ماندہ قوم کو آج سخت ضرورت لاحق ہے۔ ابھی نصف صدی ہوئی کہ مسلمان مغربی تعلیم سے متنفر تھے، غدر کے بعد وہ انگریزوں کو غاصب سمجھ کر ان کی زبان اور ان کے تمدن سے یکسر منہ پھیرے ہوئے تھے لیکن ہندو نئی تعلیم سے مستفید ہو کر اپنے آپ میں مختلف قسم کی نئی صلاحیتیں پیدا کئے چلے جاتے تھے۔ یہ حالت تھی کہ سرسید اعظم نے اپنے سوئے ہوئے اور بھٹکے ہوئے بھائیوں کو ان کے خواب غفلت سے جگایا اور سمجھایا کہ دنیا کدھر جا رہی ہے اور تم کہاں ہو؛ اس مروکتا پر پہلے کفر کے فتوے لگے، اس کی منہسی اڑائی گئی۔ لیکن شکر ہے کہ جلد قوم نے اپنے رہنما کی قدر و قیمت سمجھ لی۔ عورتوں کی ترقی کے معاملے میں آج کچھ یہی حالت ہے؛ ہندو عورتیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تعلیم پا رہی ہیں، قومی تحریکات میں حصہ لے رہی ہیں، جیلو نہیں جا رہی ہیں۔ ایک دنیا ان کے ایشیا پرششدر ہے کہ کیا یہی تھی سستی ہونے والی سپماندہ ہندی عورت؟ کل کو جب نیم آزاد یا آزاد ہندوستان میں ہزاروں قسم کے مواقع و سہش ہونگے۔ استانیاں ڈاکٹرنیاں، ممبرانیاں ہر شہر میں سیدکڑوں ہندو عورتیں یہ عہدے پائینگی اس وقت اگر مسلمان عورتیں وہاں موجود نہ ہوں گی تو یہ سراسر ان کے حقیقت نا آگاہ مڑوں



کا قصور ہوگا۔ یہ دلخراش تفاوت آج بھی نظر آ رہا ہے۔ کاش ہم دیکھیں اور غور کریں !  
یہ ضرور ہے کہ ہر شخص کے حالات مختلف ہیں۔ ہر شخص کی مشکلات جدا گانہ ہیں۔  
اور اس لئے سب کے واسطے ایک ہی قاعدہ کُتبہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے  
دوسروں کو آزادی دینے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے خیالات کا اظہار  
ایسے طریق میں کریں جس میں راستبازی کے ساتھ وسعت نظر بھی موجود ہے +  
اپنے نوجوانوں کو جہاں ہمیں نئے فیشن کے اسراف سے روکنے کی سخت ضرورت

ہے ضرورت ہے کہ ہمیں انہیں سمجھائیں کہ ہر روز سینما دیکھنے کو جانا کچھ ایسی ترقی کا موجب  
نہیں دہاں یہ بھی ضرورت ہے کہ ان کے بزرگ ہر بات میں ان پر حکم جاری کر دیں۔ کا  
رویہ ترک کر دیں۔ اگر آپ اپنے نوجوانوں پر بہت زیادہ دباؤ ڈالتے چلے جائیں گے۔ تو  
وہ آپ کی زندگی کو بلکہ بدقسمتی سے اُس مذہب کو جس کا نام لے لے کر آپ اپنا اُلوہہ  
کرتے ہیں جاہلوں کا ڈھکوسلا پکارنے لگ جائیں گے۔ یہ ایک مافی ہونی بات ہے۔  
کہ بہت زیادہ بندشوں کا نتیجہ ہمیشہ بغاوت ہوتا ہے۔ بہت زیادہ دباؤ کا نتیجہ ابھار  
ہوتا ہے۔ اب دنیا کا طور کچھ اور ہے۔ اب مساوات اور آزادی دلوں کو گرما رہی ہے  
اسلام مساوات اور آزادی کا پیغام لے کر آیا تھا ہمارا کام ہے کہ ہم آج کل کی  
باغی دنیا کے آگے اسلام کی معتدل آزادی کا نقشہ پیش کریں، قدامت پسندوں پر  
ہزار افسوس ہے۔ کہ آپ تو ڈوبے ہی ہیں اسلام کو بھی ساتھ لے ڈوبنے کا تہیہ کر رہے  
ہیں۔ مدعا یہ نہیں کہ نئی پودھٹوری سی یا کافی آزادی سے تسلی پالے گی، ممکن بلکہ اغلب  
ہے۔ کہ ان میں کے اکثر افراد ہل من مزید کانفرہ لگائیں گے اور آپ پھر شکل میں  
گرفتار ہو جائیں گے۔ لیکن جیسا کہ کہا جا چکا ہے شکلوں کا وجود محض راستی پر دلالت



کرتا ہے۔ اچھے کام میں ہمیشہ مشکلوں کا سامنا رہے گا، مشکلوں کے لئے ہمیں تیار ہو جانا چاہیے۔ مشکلیں بڑھیں گی تو زندگی زندہ تر ہوگی!

نئی روشنی کے آزاد منش نوجوانوں کے لئے اسلام کی ایک نئی تشریح کی ضرورت ہے اسلام ایک ہشت پہلو دستور شیشہ ہے جس میں ہر نئی روشنی ایک نیا رنگ پیدا کرتی ہے۔ نئے نوجوانوں کو اپنی نئی آزادی کی روشنی اس پر ڈالنے سے نہ روکو بلکہ اس تجربے میں ان کا حوصلہ بڑھاؤ اگر تم چاہتے ہو کہ وہ اسلام کے لئے اور اسلام ان کے لئے قائم رہے۔ ایک نئی دنیا ان کے سامنے جلوہ گر ہے، نئی آزادیاں نئے کارنامے نئی لطف اندوزیاں! انہیں آگے کو بڑھنے دو۔ ان میں زندگی کا خون دوڑنے دو۔ انہیں اپنے اندھیرے نہ خانوں میں بند کر کے اپنی پرستش کرنے پر مجبور نہ کرو۔ ان لڑکوں لڑکیوں کو خدا کی روشنی اور ہوا سے لطف اٹھانے دو، انہیں خدا صفا دع ماکر کہہ کر دنیا میں نکل جانے دو کہ ان کے جسم میں قوت اور ان کی روح میں بالیدگی پیدا ہو اور خدا کے لئے یہ کہہ کر ہر نئی تحریک سے منہ نہ پھیر لو کہ ہم جو ہیں سو ہیں زمانہ جائے بھاڑ میں!

نئی تعلیم سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ہماری یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی حاجت ہے؛ استاد شاگرد کے تعلقات ایک نئے سانچے میں ڈھلنے چاہئیں تعلیم میں زیادہ توجہ عملی تعلیم، دستکاری اور صنعت و حرفت کی طرف ہونی چاہیے۔ اب وقت نہیں رہا کہ جوانی کے دنوں میں اپنے بالا خانے پر چڑھ گئے اور گرمیاں کھلا چھوڑ کر لگے بیرو سودا کا دیوان پڑھ پڑھ کر مزے لینے؛ مسلمان تھوڑی دیر کے لئے اپنی ادب نوازی کو تہ کر کے رکھ دیں تو بہتر ہے! مسلمان نوجوانوں کو اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے کھیلوں میں حصہ لینا چاہیے؛ بوائے سکاؤٹس اور گرل گائیڈز کی تحریکات نوجوانوں میں باقاعدگی



باہمی امداد اور جسمانی و نفسی قوت پیدا کرتی ہیں، مسلمان بچوں بچیوں کو ان میں بڑی تعداد  
 میں شامل ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ بالغوں کو نئی دنیا کی ضروریات سے واقف بنانے  
 کے لئے سینماؤں اور لیکچروں کا سلسلہ قائم کرنا چاہیے، مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ  
 اپنی فراغت کے اوقات میں کم پڑھے ہوئے پرانی وضع کے ہم قوموں کے لئے سود مندی  
 کا ذریعہ بنیں۔ آج قوم قوم میں مقابلہ ہے اور یہ مقابلہ ہزاروں شعبوں میں لاکھوں پیروں  
 میں جاری ہو گیا ہے، اس کے لئے ضرورت ہے معاشرت کو بہتر کرنے کی معیت کو  
 درست کرنے کی نئی تعلیم کی نئی تربیت کی ضرورت ہے کہ تمام ایسی فضول رسمیں  
 ترک کی جائیں جن میں وقت کا روپے کا توانائی کا بے حاصل مصرف ہے۔ چند  
 نوجوان ملکر ایک شعبہ سنبھال لیں چند کوئی دوسرا شعبہ، چند ایک نئی معاشری تحریک  
 شروع کریں، چند کسی جاری شدہ تحریک کے رضا کار بن جائیں۔ شاید ہندوستان کے  
 مسلمانوں کی کوئی عادت اس قدر تباہ کن نہیں جتنی فضول خرچی۔ اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان  
 کے مسلمان کی تعریف کیا ہے تو شاید بلا تامل یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس  
 کی آمدنی سنو روپیہ اور خرچ ایک سو دس روپیہ ہو، ہندو سنو میں سے کم از کم دس روپے  
 بچاتا ہے بلکہ بہت زیادہ مسلمان سنو پر کم از کم دس روپے زائد صرف کر دیتا ہے بلکہ بہت زیادہ  
 نتیجہ جو ہوتا ہے سو ظاہر ہے۔ میں نے اپنے ایک ہندو دوست سے کہا کہ یہ پرلے درجے  
 کی بے انصافی ہے کہ آپ اس قدر دولت رکھتے ہیں اور ہم آپ کے ملکی بھائی اس نعمت سے  
 محروم ہیں، بہتر ہو کہ قانوناً ساری موجودہ دولت لوگوں سے لے لی جائے اور پھر اُسے مساوی  
 طور پر تقسیم کر دیا جائے، اُس نے خوب جواب دیا ایسا کہ مجھے لاجواب بنا دیا اس نے کہا کہ ہم  
 تو ایسا کرنے پر شاید تیار ہو جائیں لیکن وقت یہ ہے کہ تیس چالیس برس کے اندر اندر پھر



ہماری آپ کی یہی حالت ہوگی۔ آپ اپنی فضول خرچی کے مارے مفلس ہو چکے ہونگے اور ہم اپنی کفایت شکاری  
 کے بل پر خاصے کھاتے پیتے آدمی بن گئے ہونگے۔ خدا ان لوگوں سے سمجھے گا جنہیں اپنے اسراف پر ناز  
 ہے اور جو عمل کرتے وقت قرآن مجید کی ایک آیت کو مسخ کر کے یوں سمجھ لیتے ہیں کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُحِبُّ الْمُسْلِمِينَ**  
 اسراف کے ساتھ جب یہ بات شامل کر لی جائے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کو تجارت سے نفرت ہے  
 تو ان کے رُوبہ تنزل ہونے کی وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اس سال جب میں نے مدراس اور میسور کی سیر  
 کی تو میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ مدراس اور بنگلور میں پنجاب کے مقابل میں ایک خاصی تعداد  
 مسلمان تاجروں کی موجود ہے جو خوشحال ہیں، لاہور میں انارکلی ہی میں جاؤ اور دیکھ لو کہ سوائے نانیوں  
 اور پل فروشوں کے بہت کم دوکانیں مسلمانوں کی نظر آتی ہیں ستاون فیصدی کی بجائے وہاں مشکل سے  
 فیصدی نیابت ہمیں حاصل ہے؛ کیا اس شعبے میں بھی ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں قانوناً فرقہ دار نیابت  
 حاصل ہو؟ سیم وزر موجودہ خوشحالی کی بنیاد ہے بغیر بنیاد قائم کرنے کے ہم کیونکر اہل تمدن کی بستی  
 میں اپنا قومی مکان تعمیر کر سکتے ہیں؛ پیغمبر اسلام خود تاجر تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے پیرو کیوں  
 تجارت کو محض ایک ہندوانہ اور انگریزی مشغلہ سمجھ بیٹھے ہیں صنعت و حرفت سے جو آج شاید  
 غیر مسلم مشاغل معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں کو مدتوں خاص شغف رہا۔ ایک مغربی مصنف مسٹر ایل  
 پی جیکس نے کچھ عرصہ ہوا انگریزی میں ایک خیال انگیز کتاب (*The Art of Living Together*)  
 (معاشرت کا فن) لکھی ہے جس میں وہ یہ نظریہ قائم کر کے کہ تمدن حاضر ایک صنعتی تمدن ہے۔ اور  
 اسکی صنعت کے لئے ایک خلاقی ضابطہ کی ضرورت ہے بیان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں قدیم آلات کے ایک  
 مجموعے کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک غایت درجہ خوبصورت اصطلاح (یعنی ستاروں کی بلندی ناپنے  
 کا آلہ) دکھایا گیا جس میں نہایت خوبی اور دیدہ ریزی سے کام کیا گیا تھا۔ یہ نفس چیز تقریباً  
 ہزار سال ہوئے حسین علی ایک مسلمان دستکار نے ہندوستان میں بنائی تھی (میرے خیال



میں قابل مصنف نے زمانے کے اندازہ میں کچھ غلطی کی ہے۔ بہر حال اپیل پر مینا کاری کا کام تھا اور  
 اُصطلاب کے کنارے پر نہایت خوبصورت عربی خط میں یہ زربیں حروف کندہ تھے۔ یہ اُصطلاب  
 عمل ہے حسین علی دستکار اور ریاضی دان کا جو خدائے تعالیٰ جل شانہ کا بندہ ہے۔ "مسٹر جیکس کہتے  
 ہیں کہ صنعتی اخلاق کا مکمل بیان اس کتبے میں موجود ہے، دستکاری مہارت، ریاضی وانی قابلیت اور  
 خدا کی بندگی وہ خوبی و عمدگی ہے جو اس مہارت کا صحیح مطلع نظر ہے + وہ اس سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔  
 کہ جب تک عیسائی دنیا ان اصولوں پر عمل نہ کرے گی اس کا صنعتی تمدن صحیح راہ پر نہ آسکے گا۔ آج اس  
 آزمائش کے وقت میں بھی ہزاروں شاید لاکھوں مسلمان صنعتیوں میں مہارت قابلیت اور خدا ترسی  
 کے یہ اوصاف موجود ہیں جو صحیح تمدن کے اجزا ہیں لیکن افسوس کہ مسلمان اُمرا اور رہنما اور مسلمانوں کی عام  
 جماعت بھی اپنی فضول خرچی کے باعث اُن کی پشت پناہ بننے سے عاجز ہے؛ مشین کے پرنے دن  
 رات چلنے اور اپنا کام کرنے کو تیار ہیں مگر منتظم صاحبان مشین کو تیل نہیں دیتے پھر کیا عجب ہے  
 کہ وہ قبل از وقت گھس جاتے ہیں اور مشین بہت جلد بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ پنجاب کے چھوٹے  
 اُن پڑھ زمیندار تو خیر بنیوں کے رحم پر زندگی گزارتے ہیں لیکن شہروں کے تعلیم یافتہ بزم خود زمانہ شناس  
 مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ایک ہمارے شہر لاہور میں خدا کے فضل سے کم ہی کوئی مسلمان ہوگا جس  
 نے کسی نہ کسی وقت ہندو بنکوں کے آگے دست سوال دراز نہ کیا ہو! یہ حالت کیونکر نہ ہو جب  
 ہمارے اکثر مسلمان بھائیوں کے نزدیک بنک کھولنا اسلام کے خلاف ہے۔ اپنے غلط و قیاسی خیالات  
 پر قائم رہو اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے جاؤ! کاش کہ ممبئی اور حیدرآباد کے بعض لاکھ پتی اور کروڑ  
 پتی اُمرا اس قومی ضرورت کی طرف فوراً متوجہ ہوں!

اسراف پسندی، نوکری پسندی، قبر پرستی، پیر پرستی، بٹیر بازی، بیت بازی، عاشق مزاجی  
 ہماری قوم کے ان اور دوسرے اوصاف کی طرف بارہا ہمارے مصلحین و مقررین نے توجہ دلائی ہے اور



بتایا ہے۔ کہ کیونکر کفایت شعاری تجارت اور دستکاری سے اور رسومِ شنیعہ کے ترک کرنے اور ایک سادہ اور فطری آزاد زندگی بسر کرنے سے ہم ان برائیوں سے بھی بچ سکتے ہیں اور دنیا کے میدان میں ہم سادہ قوموں کے دوش بدوش عزت سے کھڑے بھی ہو سکتے ہیں +

ہماری قومی ضروریات کے اس نامکمل ذکر میں ہمارے سیاسی نصب العین کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی ہستی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا حال اُن کے ماضی پر قائم ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماضی کی روایات کو کھونا نہیں چاہتے؛ وہ اس ماضی و حال پر اپنا مستقبل قائم کریں گے اپنی محنت اور اپنی خودداری کے ساتھ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہر حال میں ہر طرح ہمیشہ ہندوؤں سے علیحدہ رہنا اپنا نصب العین بنائیں۔ گنگا اور سندھ دونوں دریا ایک ہی ہمالیائی سلسلے سے نکلتے ہیں۔ ایک مشرق کی طرف بہتا ہوا خلیج بنگال میں جا گرتا ہے دوسرا مغرب کی طرف بہتا ہوا بحیرہ عرب تک جا پہنچتا ہے دونوں وسیع ہندوستانی خطوں کو سیراب کرتے ہیں دونوں نے اس ملک ہندوستان کو رشکِ حبت بنا دیا ہے، وہ دونوں کہتے کو الگ الگ ہوں لیکن دراصل ایک ہی وطن کے پروردہ اور ایک ہی چمن کی آبیاری کرنے والے ہیں۔ یہی حال ہندو مسلمانوں کا ہے، دونوں کا تمدن ایک حد تک الگ الگ ہے لیکن اگر یہ دونوں بجائے مخالف کے تعاون سے کام لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ ایک نئے ہندو مسلم مرکبِ تمدن کی بنیاد قائم نہ کر سکیں جس کے اجزاء بغیر اپنی خصوصیات کھونے کے ایک دوسرے سے مربوط اور یوں دونوں پہلے سے زیادہ مضبوط و زندگی بخش ہو جائیں۔ ہندو مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنے کی بہت سی راہیں ہیں؛ مغلیہ عہد کی روایات ان کی مشترک تاریخ ہو، اُرواؤں کی مفاہمت کی زبان ہو، ان کے دل میں ایک دوسرے کے بزرگوں کا احترام ہو، وہ ایک دوسرے کے نہواروں میں ایک دوسرے کے معاون ہوں پھر ہم دیکھیں کہ اس دل خوش کن محبت کے



منان کس قدر شاندار ہوں !

ہمارے جھگڑے لڑائیاں جاری ہیں تو رہیں لیکن آخر ہمیں اس ملک میں بل جل کر رہنا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم مسلمان وہ کام کریں جس سے ہمارے لئے جنگ و صلح دونوں آسان ہو جائیں اور وہ کام اپنے آپ کو مربوط و مضبوط بنانا ہے۔ ہمارا ربط و ضبط بظاہر ہمارے سیاسی رہنماؤں کے ہاتھ میں ہے لیکن بے انصافی ہوگی اگر ہم محض انہیں کو اپنی قومی حالت کا ذمہ دار قرار دے لیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے آج کل قومی ترقی بیسیوں شعبوں میں ترقی کرنے سے پیدا ہو سکتی ہے ! فوج کا قلب اور دایاں بایاں سب بیک وقت اور بیک انداز آگے بڑھیں تو پیش قدمی ممکن ہے۔ وگرنہ وہ محض شکست کا پیش خیمہ بن کر رہ جاتی ہے۔ یہی حال ہماری قوم کا ہے۔ نئے طریق پر بچوں کی تربیت نئے طریق پر ان کی تعلیم قومی و ملکی زندگی میں عورتوں کی شمولیت، معاشرت کی اصلاح، معیشت کی ترقی، تجارت میں فروغ، صنعت و حرفت میں کمال اور بیسیوں اور کام ہیں جن میں آج کل کے سب سے زودہ زمانے میں شہرت کم ہے لیکن جو بلاشبہ ہمارے اپنے اور دوسروں کے لئے پُرشورش کاموں کی بہ نسبت بہت زیادہ سودمند ہیں۔ ان سینکڑوں قسم کے کاموں کے لئے لاکھوں خاموشی سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے !

